سفر نامہ قسط ۷

پروفیسر خواجہ ابوالکلام صدیقی

امارت اسلامیہ افغانستان........مشاہدات و تأثرات

ذمہ دار افراد سے ملاقات کرنے اور لائبریری دیکھنے کے بعد جمال الدین افغانی مرحوم کی قبر پر فاتحہ پڑھی اس کے بعد ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل دیکھتے ہوئے بارہ بجے جامع مسجد پل خشتی پہنچے محترم امیر جناب قاری سیف اللہ اختر صاحب نے فرمایا کہ میں یہاں سے آپ کو لینے کے لئے دوبارہ کس وقت آ جاؤں ہم نے حضرت کے خلوص کا شکریہ ادا کیا اور گزارش کی کہ انشاءاللہ ہم خود ہی رات کو دفتر میں حاضر ہو جائیں گے۔ چونکہ پروگرام کے مطابق اگلے دن کابل روانگی تھی اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ آج کا باقی وقت کابل کے اس مرکزی بازار میں گھوم لیا جائے۔

کابل کا مرکزی بازار:

جامع مسجد پل خشتی کے ارد گرد پر رونق بازار ہیں جہاں گوشت سبزی سے لے کر زیورات اور ریفریجریٹر تک ہر چیز مل جاتی ہے۔ ٹیلی وژن اور ریڈیو کیسٹوں کی کوئی دکان نہیں کیونکہ ان کی خرید و فروخت اور ان کا استعمال پوری امارت اسلامیہ میں ممنوع ہے البتہ ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر اور آڈیو کیسٹوں کی دکانیں موجود ہیں زرد اور سرخ پگڑیاں باندھے ہندو اور سکھ دکاندار بھی کاروبار کر رہے ہیں قالین فروش سڑک کے کنارے براجمان ہیں، معیاری ہوٹلوں کے علاوہ کھانے پینے کے خوانچے اور شہتوت وغیرہ کی ریڑھیاں بکثرت ہیں۔ ٹریفک پولیس کا ہر فرد باریش اور باوردی ہے یہ پولیس اہلکار ریڑھیوں اور ٹیکسیوں کے راستے سے ہٹانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں مگر ہم نے کسی ماتحت یا افسر کو گالی گلوچ کرتے، مارتے پیٹتے یا ریڑھی الٹاتے نہیں دیکھا بازار میں ایک پوری رو پرانی کتابوں کی دکانوں کی ہے جن میں عربی، فارسی، پشتو اور اردو کی کتابیں مل جاتی ہیں مگر اکثر کتابیں درسی ہیں۔

عورتوں کی آزادی:

بازاروں میں عورتیں بھی چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہیں جس سے اہل مغرب اور مغرب زدہ گروہ کا یہ پروپیگنڈہ بے نقاب ہو جاتا ہے کہ امارت اسلامیہ میں عورتوں کو قید کر کے گھروں میں بٹھا دیا گیا ہے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ کوئی عورت حتیٰ کہ بھکارن تک بھی ایسی نظر نہیں آتی جو بے حجاب و بے نقاب ہو اور عورت کے معنی ہی یہی ہیں کہ وہ چیز جس کو عریاں کرنا مناسب نہ ہو۔

انیسویں صدی کے نصف آخر اور بیسویں صدی کے نصف اول میں جب عالم اسلام اہل یورپ کی غلامی میں جکڑا ہوا تھا ترکی اور افغانستان یہ دو مسلمان ملک ایسے تھے جو حنفی المذہب تھے اور ان دونوں نے

بحیثیت مجموعی فرنگی کی غلامی کو قبول نہیں کیا دشمنان اسلام کو ترکی میں مصطفےٰ کمال کی صورت میں مہرہ مل گیا جس نے نہ صرف دامن خلافت کو تار تار کر دیا بلکہ اسلامی روایات و اقدار کو عربی روایات و اقدار کا نام دے کر ملک بدر کر دیا۔ دیندار طبقے کو پوری قوت سے کچل دیا ملک کی عسکری قوت کو لادینیت اور دینی نفرت میں ڈھال دیا ترک قوم کو حجازی تہذیب سے نکال کر یورپی تہذیب میں داخل کر دیا اور اسے دین دشمنی کے ایسے آہنی شکنجہ میں کس دیا کہ اگرچہ دینی سخت جانی اور عرصہ دراز کے مذہبی اثرات کی وجہ سے اس کی اسلامی قوت تو واقع نہیں ہوئی مگر پون صدی گزرنے کے باوجود ابھی تک اسی سے نکل نہیں سکی تاہم جہادی تحریکوں کی وجہ سے امید ہے کہ انشاء اللہ اس کا تڑپنا اور پھڑکنا جلد ہی نتیجہ خیز ثابت ہو گا اور یہ خطہ دوبارہ گہوارۂ اسلام بن جائے گا۔

انیسویں صدی کے آخر میں افغانستان میں امیر عبدالرحمٰن خان حکمران تھے وہ روسی اثرات سے بھی خود کو بچاتے رہے اور انگریزوں کے خلاف بھی برسر پیکار رہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں سیاسی بصیرت اور انتظامی صلاحیت سے سرفراز فرمایا تھا انہوں نے اپنے ملک کو جغرافیائی لحاظ سے وسیع کیا، متعدد کفار ان کے ذریعے اسلام کی ہدایت سے باسعادت ہوئے ۱۹۰۱ء میں ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے امیر حبیب اللہ خان حکمران بنے اور پھر ان کے قتل کے بعد فروری ۱۹۱۹ء میں ان کے ستائیس سالہ نوجوان بیٹے امیر امان اللہ خان تخت نشین ہوئے، اس دور تک اس ملک میں پردہ سمیت اسلامی و افغانی روایات برقرار رہیں، انگریزوں نے عسکری اور سیاسی محاذ پر اس سے شکست کھانے کے بعد منافقانہ دوستی کی آڑ میں اسے جدیدیت کی راہ پر لگا دیا، مصطفےٰ کمال کے نظریات اور خیالات سے متاثر ہو کر یہ بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ مملکت افغانستان کی ترقی اور خوشحالی صرف جدید تہذیب سے وابستگی ہی سے ممکن ہے اس کی جدت پسندی اور مغربیت سے مرعوبیت اس قدر آگے بڑھ گئی کہ اسے پردہ آزادی نسواں میں سنگ گراں محسوس ہونے لگا اور خود اس کی بیگم کی نزاکت برقع کا بوجھ نہ اٹھا سکی ان حالات میں افغانوں کی غیرت اٹھ کھڑی ہوئی اور غازی امان اللہ خان ۱۹۲۹ء میں تخت و تاج سے محروم ہو گیا مگر عجیب بات ہے کہ جو قوم ۱۹۲۹ء میں اپنے حکمران کی بیوی کی بے حجابی برداشت نہ کر سکی، وہ پینتالیس سال کے عرصے میں غیرت سے اس قدر محروم ہو گئی کہ اسے اپنی عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کا نقاب و حجاب تو درکنار ان کا ستر پوش ہونا بھی گوارہ نہ رہا۔ اس کے بعد افغانستان اور روس میں روسی وظائف پر تعلیم حاصل کرنے والی بے دین نسل تیار ہو گئی اور مملکت افغانستان میں روس دخیل ہو گیا۔ تو لادینیت کا ایسا طوفان آیا کہ عورتیں مادر پدر آزاد ہو گئیں گھروں کی بجائے بازار کے حماموں میں بے تکلف غسل کرنے لگیں، فحاشی و عریانی کا ایسا ماحول بن گیا کہ جسے دیکھ کر مغرب کی برہنگی نے بھی آنکھیں جھکا لیں، جنسی تعلق میں ایسی حیوانیت داخل ہو گئی کہ نکاح کا غیر ضروری اور فضول ہونا تو اپنی جگہ رہا بہن بھائی کا حجاب اور تقدس بھی باقی نہ رہا، اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں آیا عظیم قربانی کے بعد جب روس اس ملک سے نکل گیا تو راہنمایانِ ملت کی ہوسِ اقتدار کی مصلحتوں نے

ان کی غیرت دینی کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا اللہ تبارک و تعالیٰ نے سولہ لاکھ سے زیادہ شہیدوں کے خون کو بامقصد بنانے کی توفیق طالبان کو عطا فرمائی جنہوں نے اسلام کے احکامات کا عملی نفاذ کر کے کابل کے حسنِ بے حجاب کو بھی پابند نقاب کر دیا۔

اسلام دین فطرت ہے اس کا ہر حکم فطرت کے عین مطابق ہے البتہ احکام شریعت کی پابندی کا انحصار مکلف کی استطاعت و وسعت پر ہے، اسلام غیر فطری پابندیاں عائد نہیں کرتا اور انسانی مجبوریوں سے آنکھ بند نہیں کرتا اس لئے امارت اسلامیہ افغانستان میں بھی عورتوں کے لئے گھروں سے نکلنا ممنوع نہیں شرعی ضرورت کی وجہ سے وہ باہر آسکتی ہیں مگر ان کے لئے لازم ہے کہ سر سے پاؤں تک مستور ہوں، جسم و لباس بے حجاب نہ ہو اور چہرہ بے نقاب نہ ہو، اکیلی عورت ٹیکسی میں سوار نہ ہو، کسی غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں بات نہ کرے اور اس کی گفتگو بے حجابہ و بے تکلفانہ نہ ہو۔

طالبان کو اسلامی حجاب کے احیاء میں دقت صرف کابل میں پیش آئی ورنہ ملک کے باقی علاقوں میں شرم و حجاب افغانی روایات آج بھی مستحکم ہیں اور وہاں یہ کہاوت مشہور ہے کہ افغان عورت اپنے شوہر کی پوری طرح تابع فرمان ہوتی ہے اور اس کا کوئی حکم نہیں ٹالتی اور اگر اس کا شوہر اسے کسی کے سامنے بے حجاب ہونے کا حکم دے تو وہ خود شوہر کی بندوق سے یہ کہ کر اسے قتل کر دے گی کہ یہ بے غیرت اب میرے شوہر رہنے کے قابل نہیں رہا۔

بھکاریوں کی کثرت:

مزاروں اور بازاروں میں بھیک مانگنے والے بکثرت دکھائی دیتے ہیں البتہ کابل کے علاوہ دوسرے شہروں میں یہ تعداد کافی کم ہے اور بعض شہروں میں تو بالکل نہ ہونے کے برابر ہے اور یہاں ان کی کثرت مرکزی تجارتی شہر اور دارالحکومت ہونے کی وجہ سے ہے اور تباہی و بربادی بھی اسی شہر میں زیادہ ہوئی ہے یہ شہر اغیار سے زیادہ اپنوں کا زخم خوردہ ہے شاید ہی کوئی عمارت ایسی ہو جو گولیوں سے چھلنی نہ ہو، شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جہاں موت کے مضبوط ہاتھ نے اپنی گرفت کا بھرپور مظاہرہ نہ کیا ہو۔

بھیک مانگنے والوں میں مردوں کی تعداد بہت کم ہے جتنے ہیں سب معذور یا بوڑھے ہیں عورتیں زیادہ ہیں اور بچے تو بہت ہی زیادہ ہیں کوئی نوجوان لڑکی بھیک مانگتے نظر نہیں آئی، بلکہ نوجوان لڑکے بھی دکھائی نہیں دئیے، ملک کے بحرانی حالات، وسائل کے فقدان، معیشت کی تباہ حالی، غربت کی وسعت کی وجہ سے یہ کثرت حیران کن نہیں البتہ حیرانی کی بات یہ ہے کہ غربت و مفلسی کی مجبوری کے باوجود ہاتھ سے کچھ لینے کے لئے لپٹ اور جھپٹ تو جائیں گے مگر کسی کی چیز کو بغیر اجازت ہاتھ نہیں لگائیں گے، امیر المومنین کو اسلامی و قومی خود داری کے گوہرِ آبدار کے داغدار ہونے کا شدید احساس ہے جس شخص نے حالات کے تقاضوں کے باوجود آج تک اغیار تو درکنار کسی مسلمان ملک کے سربراہ کے سامنے بھی دستِ سوال دراز نہ کیا ہو اور جو اپنے کردار اور زبانِ حال سے ملتِ اسلامیہ کے ہر فرد کو یہ پیغام دے رہا ہوں۔

تو اگر خود دار ہے منت کشِ ساقی نہ ہو
عین دریا میں حباب آسانگوں پیمانہ کر

وہ اپنے ملک کے افراد کے ہاتھوں کا پھیلنا کیسے گوارہ کر سکتا ہے مگر خودی و خودداری اور عزم و استقامت اپنی جگہ پر وسائل کے فقدان اور حالات کی سنگینی کی وجہ سے اس کیفیت پر فوری طور پر قابو پانا بھی ممکن نہیں اس کے لئے ایک طویل منصوبہ بندی کی گئی ہے اور جگہ جگہ مدارس قائم کئے جا رہے ہیں، فیکٹریوں اور کارخانوں کو بحال کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ زراعت کے تجربات کا آغاز ہوچکا ہے زیر کاشت رقبہ بڑھتا چلا جارہا ہے جبکہ دوسری طرف دو عارضی انتظام کئے گئے ہیں ایک تو فی مستحق کنبہ ماہانہ امداد کا سلسلہ شروع ہے دوسرے یہ کہ بھکاری بچوں کو دوپہر کے وقت مساجد میں بلایا جاتا ہے وہاں ان کو کھانا کھلایا جاتا ہے اور دو گھنٹے قرآن مجید، دینی مسائل، رزق حلال اور اپنی زبان میں لکھنے پڑھنے کی تعلیم دی جاتی ہے جس کی وجہ سے کافی بچے بھیک چھوڑ کر جوتی پالش، خوانچہ فروشی یا مختلف دکانوں پر ملازمت اختیار کر چکے ہیں رزق حلال کے درس کا نتیجہ ہے کہ جب جوتی پالش کرنے والے بعض بچوں کو بطور امداد کچھ دینے کی کوشش کی گئی تو انہوں نے جوتی پالش کئے بغیر کچھ لینے سے انکار کر دیا۔

گزشتہ سال کی ایک ملاقات:

اس سال کابل میں طالبان حکومت کے کسی ذمہ دار سے ملاقات نہ ہو سکی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس کی کوشش بلکہ خواہش ہی نہیں کی کیونکہ مقصود و مطلوب حقائق معلوم کرنا تھا کہ ان حضرات کے قیمتی اوقات کو محض ملاقات کے شوق اور فخریہ اظہار کے لئے ضائع کرنا۔ تاہم گزشتہ سال اطلاعات کے ڈائریکٹر دفتر حرکتہ المجاہدین میں دفتر والوں کی دعوت پر پاکستانی وفود سے ملاقات کے لئے تشریف لے آئے تھے، حاضرین کی کثیر تعداد نے اپنے اپنے ذوق، اور معیار کے مطابق ان سے جہاد افغانستان، موجودہ حربی صورت حال، طالبان کی داخلہ و خارجہ پالیسی، ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ، حدود و قصاص، شیعیت کے اثرات، افغان کرنسی، معاشی کیفیت، بین الاقوامی معاہدات، امریکہ اور اقوام متحدہ سے تعلقات اور اس بارے میں پاکستان میں زیر گردش افواہیں، تعلیم و نصاب تعلیم وغیرہ کے بارے میں مناسب و غیر مناسب اور متعلقہ و غیر متعلقہ ہر قسم کے سوالات کئے کسی غیر مناسب ترین سوال پر بھی جناب ڈائریکٹر صاحب کے نہ تو ماتھے پر شکن نمودار ہوئے اور نہ ہی چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی، کسی سوال کے جواب میں جذباتی انداز اختیار نہیں کیا جو سوال معقول تھا اُس کی وضاحت کر دی اور جو سوال غیر مناسب تھا سائل کی دل شکنی کئے بغیر مسکراہٹ کے ساتھ ایک جملے میں ٹال دیا، جامعہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم ڈاکٹر حبیب اللہ مختار رحمہ اللہ کی شہادت کا ذکر آیا تو فرمایا ڈاکٹر صاحب پاکستانی طالبان ہی کے نہیں متعدد افغانی طالبان کے بھی براہ راست استاد تھے ان کے شاگردوں میں خود میں بھی شامل ہوں، دینی استاد حقیقی باپ سے بھی زیادہ قابلِ احترام ہوتا

ہے کیونکہ والد عالم ارواح سے اس عالم دنیا میں لانے کا ذریعہ ہے جبکہ دینی استاد عالم دنیا سے جنت کے اونچے مقامات پر پہنچانے کا ذریعہ ہے، حکومت پاکستان کی نارسائیاں اپنی جگہ، مگر قاتل اور ان کے پس پردہ محرکین ہمارے سامنے بے نقاب ہیں اور ہماری دسترس سے باہر بھی نہیں جذبات کا فیصلہ یہ ہے کہ ان قاتلوں کو اس آگ میں جلا کر بھسم کر دیا جائے جو خود انہوں نے مسلمانوں کے لئے جلائی ہے مگر حالات کے ہمہ پہلو جائزے کی روشنی میں ایمانی فراست، بصیرت اور حکمت کا تقاضا سر دست صبر و استقامت ہے۔

ایک بزرگ نے جذباتی انداز میں متوجہ کیا کہ پاکستان میں سنیوں کی اکثریت ہے مگر حکومت پاکستان، ایران سے دبی ہوئی ہے مولانا اعظم طارق ناکردہ گناہوں پر پابند سلاسل ہیں جبکہ شیعہ راہنما قتل کے معاملات میں واضح طور پر ملوث ہونے کے باوجود بھی آزادانہ گھوم پھر رہے ہیں امیر المومنین کو چاہیے کہ وہ اس سلسلہ میں پاکستانی حکمرانوں سے گفتگو کریں جناب ڈائریکٹر صاحب نے جواب میں فرمایا ایران کی پالیسی دوسروں کے معاملات میں مداخلت اور ہماری پالیسی عدم مداخلت ہے اس لئے ہم اس موضوع پر حکومت پاکستان سے گفتگو نہیں کر سکتے اس کے ساتھ ہی ان کے چہرے پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ ارباب نظر کو ایک سوال کرتی محسوس ہو رہی تھی کہ وہ حکمران شیعی دباؤ سے کیسے نکل سکتے ہیں؟ جو حکومت ایران کی خوشنودی کے لئے مسلمان نوجوانوں کی لاشوں کی مطلوبہ تعداد پوری کرنے کے لئے بے گناہ نوجوانوں کو دھوکے سے گرفتار کر کے فرضی پولیس مقابلے میں ہلاک کر دیتے ہوں، جو اپنی پارٹی کے اہم ستون، سابق فوجی جرنیل، صوبہ سرحد کے سابق گورنر، سابق وزیراعلیٰ، مردان کے ایک بااثر و رسوخ خاندان کے فرد لیفٹیننٹ جنرل فضل حق مرحوم کے قاتلوں پر اس کے باوجود ہاتھ نہ ڈال سکیں کہ ان کے قتل سے دو دن پہلے یعنی ۳۰، دسمبر ۱۹۹۱ء کو مینار پاکستان پر ایک شیعہ تنظیم کے منعقدہ کنونشن میں واضح مطالبہ کیا گیا ہو کہ ہمیں "فضل باطل" کا سر چاہیے اور یہ اعلان کیا گیا ہو کہ یہ صرف چند دن کا مہمان ہے اور اس سے سات ماہ پہلے ۲ مارچ ۱۹۹۱ء میں ریڈیو تہران نے یہ خبر نشر کی ہو کہ جنرل فضل حق کے گھر کے قریب ایک بم پھٹا ہے اور یہ جنرل پاکستانی شیعہ لیڈر عارف حسینی کے قتل میں ملوث ہے نیز جو حکمران درج ذیل حقائق کے باوجود اپنے محسن اقتدار جنرل ضیاء الحق مرحوم کے قاتلوں کی نشاندہی کے بارے میں تجاہل جان بوجھ کر بہرے، گونگے اور اندھے بن گئے ہوں:۔

* ایران کے خمینی انقلاب کے بعد تہران کے ایک چوراہے پر انور سادات، صدام حسین اور ضیاء الحق کی قد آور تصویر لگا کر ان پر "امریکی کتے" لکھا گیا۔ اور ایران کے ایک اخبار نے ان کو ضیاء الباطل لکھا۔

* ایران کے ایک فارسی اخبار "کیہان" نے ۱۳-۱۵-۱۶- جون ۹۱ء کی اشاعت میں تین قسطوں میں چھپنے والے مضمون "پاکستانی شیعوں پر ایرانی انقلاب کے اثرات" میں لکھا کہ پاکستانی شیعوں نے اپریل ۷۹ء میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی بنیاد رکھی اور ایک ہی سال میں اتنے فعال ہو گئے انہوں نے پاکستان

سیکرٹریٹ کا تین دن تک گھیراؤ کر کے پاکستان کی فوجی حکومت کو اپنے مطالبات ماننے پر مجبور کر دیا۔

* جنوری ۱۹۸۵ء میں ایرانی صدر خامنہ ای پاکستان آئے تو استقبالی نعروں میں "خامنہ ای زندہ باد" ضیاء الحق مردہ باد" اور امریکی کتا بائے بائے بھی شامل تھے۔

* رفاقت سید، بریگیڈیر ذوالفقار اور آغا ذوالفقار یہ تینوں تقیہ باز تھے سنی بن کر جنرل ضیاء الحق مرحوم کے معتمد خاص بن گئے تھے۔ اگرچہ بہاولپور کا دورہ خفیہ تھا اور کمشنر بہاولپور کو بھی علم نہ تھا مگر ان تینوں کی وجہ سے سازشی دو ہفتے قبل ہی آگاہ ہو چکے تھے۔

* جہاز کے کپتان مشہود حسین نے طیارے میں سوار ہونے سے پہلے ٹیلی فون پر اپنے باپ سے گفتگو کی اور درخواست کی وہ اس کی شہادت کے لئے دعا کریں۔

* جب صدر مرحوم کے حادثہ کی خبر اسلام آباد پہنچی تو پورا شہر دم بخود رہ گیا مگر ایرانی سفارت خانے میں جشن کا اہتمام تھا۔

* آغا ذوالفقار جس نے جہاز میں ساتھ سوار ہونا تھا آخری وقت میں طیارہ سے کھسک گیا۔

* حادثہ کے بعد بستی لال خاں سے ایک شیعہ گرفتار کیا گیا جس کے پاس بہاولپور ایرپورٹ کے فضائی نقشے اور جہاز کے انجن کے خاکے موجود تھے۔

اگرچہ جناب ڈائریکٹر صاحب نے مختصر اور مناسب جواب فرما دیا تھا مگر محترم کے اخلاص کی تسکین نہ ہوئی اور ان کا جذباتی اصرار جاری رہا جس پر جناب ڈائریکٹر صاحب نے وعدہ فرمایا کہ آپ کے جذبات امیر المومنین تک پہنچا دیئے جائیں گے اور اس کے ساتھ ہی یہ ارشاد فرمایا کہ آپ تو اپنے حکمرانوں پر شیعی دباؤ کی بات کر رہے ہیں جبکہ اہل تشیع کا دعویٰ یہ ہے کہ پاکستان ہم نے بنایا ہے اور اس پر حکمرانی کا حق بھی ہمیں حاصل ہے جامعہ تعلیم و تزکیہ قرآن محل ملتان کے نمائندے نے انگلی کے اشارے سے اجازت طلب کی اور اجازت کے بعد ان گزارشات کا اظہار کیا: برعظیم پاک و ھند میں شیعی اثرات ہمایوں کی ایران سے واپسی کے ساتھ داخل ہوئے، اورنگ زیب عالمگیر نے پچیس سال ان کے خلاف جہاد کیا، لکھنؤ اور اودھ کے اسی فرقے سے تعلق رکھنے والے نوابوں نے مغلیہ حکمرانوں کے خلاف سازشیں کیں اور انگریزوں سے تعلقات استوار کئے، بنگال کا میر جعفر اور دکن کا میر صادق اسی فرقے سے تعلق رکھتے تھے، بہادر شاہ ظفر کو دھوکا دینے والے بھی یہی لوگ تھے جبکہ مسلمان انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے والے اور جان و مال کی قربانی دینے والے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے تھے جب آزادی کی منزل قریب آ گئی تو تقیہ باز ابن الوقت اور موقع پرست مسلمانوں سے مل کر تحریک آزادی کے راہنما بن گئے۔

نیرنگی سیاست دوراں تو دیکھیے
منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

پاکستان بننے سے پہلے سرحد اور سلہٹ کا ریفرنڈم مسلمان علماء کی کوششوں سے جیتا گیا اور پاکستان بننے کے بعد مغربی اور مشرقی پاکستان دونوں حصوں میں پاکستانی پرچم مسلمان عالموں نے لہرایا مگر مسلمانوں کی سادگی و فراخ دلی کی وجہ سے قیام پاکستان سے اب تک یا تو اسکندر مرزا اور جنرل یحیٰی خان کی صورت میں اہل تشیع براہ راست حکمران رہے یا پھر سنی حکمران کے مشیر و وزیر بن کر کار مختار رہے اس سے بڑا المیہ کیا ہوگا کہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں ان کی آبادی دو سے اڑھائی فی صد ہے مگر اعلیٰ ملازمتیں ساٹھ فی صد ان کے ہاتھ میں ہیں۔

جناب ڈائریکٹر صاحب نے فرمایا حقیقت تو یہی ہے جو آپ نے کہی ہے اس کے ساتھ ہی مجلس برخاست ہوگئی اس کے بعد ان کو ندوۃ الاحناف قرآن محل کے سلسلہ وار چند رسائل پیش کئے گئے اور یہ سوال کیا گیا کہ طالبان حکومت کا شیعوں کے بارے میں نقطہ نظر کیا ہے؟ اس پر انہوں نے بتایا کہ پاکستان میں ان کے کفر کے بارے میں علماء کا اختلاف ہو تو یہاں کے سب علماء ان کے کفر پر متفق ہیں اور امارت اسلامیہ میں ان کو غیر مسلم اقلیت کی حیثیت حاصل ہوگی۔

کابل میں آخری رات:

ہم نے ظہر و عصر کی نماز جامع مسجد پل خشتی میں اور مغرب و عشاء کی نماز جامع مسجد چوراہا یعقوب میں ادا کی عشاء کے بعد دفتر حرکتہ المجاہدین میں صبح کے پروگرام پر مشاورت کی اور دس بجے کے بعد کچھ دوست وہیں سو گئے اور کچھ دوست حرکتہ الجہاد الاسلامی کے دفتر دارالارشاد کی طرف پیدل چل پڑے میر کارواں نے چلنے سے پہلے خفیہ طور پر نام شب اور جواب شب معلوم کر لیا راستے میں نیم تاریکی میں کچھ اجسام متحرک نظر ائے اس کے ساتھ ہی ایک گونجدار آواز سنائی دی ہم نے پہچان لیا کہ طالبان ہیں، افغانستان میں رات دس بجے سے صبح کی نماز تک کرفیو لگ جاتا ہے اور جس آدمی کو نام شب معلوم نہ ہو اسے چلنے پھرنے اور گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں، اس لئے آواز سنتے ہی ہم اپنی جگہ پر رک گئے ان میں سے ایک آدمی اپنے ساتھیوں سے چند قدم آگے آکر ہم سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا ہم نے سلام مسنون کیا اس نے جواب دیا اور ہم نے تعارف کرایا کہ ہم پاکستانی مہمان ہیں اس نے کہا کہ بجا ہے مگر آپ یہاں سے آگے اور پیچھے نہیں جا سکتے یا تو یہیں رک جائیں یا ہمارے پاس چلیں صبح تک ہمارے مہمان رہیں اور فجر کی نماز کے وقت جہاں جانا چاہیں چلے جائیں ہم نے کہا کہ ہمارے پاس نام شب ہے اس پر وہ ہمارے بالکل قریب آگیا اور آہستہ سے پوچھا کہ نام شب کیا ہے ہم نے بتایا تو اس نے کہا کہ اب آپ جا سکتے ہیں لہٰذا اجازت کے بعد ہم آگے چل پڑے، یہاں سے آگے کچھ فاصلے پر ایک چوک تھا جہاں سے ہمیں دائیں ہاتھ مڑنا تھا ہم مزے سے باتیں کرتے ہوئے ٹہلتے چلے جا رہے تھے اور سامنے اندھیرا تھا جب چوک کے قریب پہنچے تو اچانک گرج سنائی دی اور ہم سہم کر رہ گئے، یہ طالبان کی دوسری ٹولی تھی اسی طرح ایک آدمی آگے بڑھا جب ہم نے نام شب بتایا اور یہ بھی بتایا کہ ہم پاکستان سے آئے ہیں وہ خوش ہو کر ہمارے گرد جمع ہوگئے اور اچانک آواز سے ہماری

گھبراہٹ پر ہم سے معذرت کرنے لگے اور اصرار کیا کہ ہم سے چائے پی کر جائیں ہم نے انکا شکریہ ادا کیا اور چائے پینے سے معذرت کی انھوں نے ہم میں سے ہر ایک سے نہایت محبت اور تپاک سے مصافحہ کر کے ہمیں رخصت کیا اور تھوڑی دیر بعد ہم دار الارشاد پہنچ گئے، راستے میں اور دفتر پہنچنے کے بعد کافی دیر تک باہم تبصرہ کرتے رہے کہ اگر یہ صورت حال اپنے ملک پاکستان میں پیش آ جاتی پہلے تو ملک و قوم کے محافظین کے اندازِ گفتگو اور محافظانہ رویہ سے سر پاؤں تک جل کر راکھ ہو جاتے، جیب میں جو کچھ ہوتا اس سے محروم ہونا پڑتا، رات حوالات میں بسر ہوتی اور اگلے دن سے اہل خانہ ہیروئین کے کیس میں ضمانتوں کے لئے رات دن چین حرام کر لیتے یا لاشوں کے ساتھ کلاشنکوف پڑی ہوتی اور ایسے نامور ڈاکوؤں یا تخریب کاروں کی حیثیت سے اخبارات کی زینت بنتے جو پولیس مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے مگر ان کی ماہرانہ فائرنگ کے باوجود پولیس کو خراش تک نہ آتی، ورثاء ہماری لاشیں اس شرط کے ساتھ وصول کرتے کہ کسی قسم کا احتجاج یا عدالتی کارروائی نہیں کریں گے (اگر عدالتی کارروائی نہیں کریں تو اس کا حاصل بھی پولیس سے معافی اور اس کی مٹھی گرم کرنا ہی ہوتا) اور پولیس اہل کار تعریفی سندوں اور انعامات سے نوازے جاتے جبکہ امارت اسلامیہ میں اگر طالبان ہمیں گولی مار دیتے تو انہیں ثابت کرنا پڑتا کہ ہم تخریب کار تھے، ہماری گرفتاری ممکن نہ تھی اور اگر وہ ہمیں قتل نہ کرتے تو ہمارے ہاتھوں خود قتل ہو جاتے اور اگر ثابت نہ کر سکتے تو پھر قصاصاً ان کو قتل کیا جاتا یا ہمارے ورثا ان سے ہماری دیت (خون بہا) وصول کرتے اور اگر بالفرض ورثا معاف بھی کر دیتے تو بھی منصبی حدود سے تجاوز پر ان کی گرفت ہوتی ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں فرضی پولیس مقابلوں کی گنجائش کہاں باقی رہتی ہے اور شہریوں کے جان و مال کو کیا خطرہ پیش آ سکتا ہے۔

جس طرح کرفیو میں باہر نکلنے والوں کی شناخت نامِ شب سے ہوتی ہے اس طرح روکنے والوں کی شناخت جواب شب سے ہوتی ہے یہ ہر رات کے لئے علیحدہ علیحدہ دو لفظ ہوتے ہیں جو متعلقین کو رات دس بجے بتا دئے جاتے ہیں روکنے والا نامِ شب پوچھتا ہے اور رکنے والا نامِ شب بتانے کے بعد روکنے والے کی شناخت کے لئے اس سے جوابِ شب پوچھتا ہے تاکہ کوئی شخص جعلی کارندہ بن کر ذمہ داروں میں نہ گھس سکے۔

کابل سے روانگی:

ملتان سے چلتے وقت قافلہ چوبیس افراد پر مشتمل تھا، کچھ افراد کو ان کی عجلت پسندی کابل سے ہماری روانگی سے ایک دو دن پہلے ہم سے جدا کر گئی، کچھ افراد کی نزاکت طبع نے ویگن پر ہوائی جہاز کو ترجیح دی، البتہ ابو معاویہ بشیر، مشتاق احمد، چودھری ظفر علی صاحبان بعض اہل وفا ایسے بھی تھے جنھوں نے ناسازئ طبیعت کے باوجود جدا ہونا گوارہ نے کیا حرکتہ المجاہدین اور حرکتہ الجہاد الاسلامی دونوں دفتروں سے کچھ افراد ہمیں اپنے اپنے قافلوں سے بچھڑے ہوئے مل گئے، تینوں برمی ساتھیوں نے واپس قندھار ہوائی جہاز پر جانا تھا مگر انھوں نے ایثار فرمایا اور اپنے میں سے ایک ساتھی مولانا جنید اللہ اختر صاحب کو ہماری رہبری کے لئے

چھوڑ دیا ۲۴ ربیع الاوّل / ۲۹ جون بروز منگل نمازِ فجر اور ناشتے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد امیر مرکزیہ مولانا قاری سیف اللہ اختر صاحب سے مختصر نشست ہوئی جو ہمیں رخصت کرنے کے لئے دفتر تشریف لائے تھے جناب امیر صاحب کی الوداعی دعا کے ساتھ صبح آٹھ بجے دو ویگنیں مولانا جنید اللہ اختر صاحب کی اجازت میں درالارشاد سے روانہ ہوئیں پہلے ہم حرکتہ المجاہدین کے دفتر میں آئے رات کے مشورے کے مطابق یہاں کچھ ساتھی تیار بیٹھے انتظار کر رہے تھے انہیں ساتھ لیا اور پھر اٹھائیس افراد کا یہ قافلہ سفر اور سواری کی دعائیں پڑھتا ہوا غزنی کے رخ چل پڑا۔

غزنی کا سفر:

غزنی کابل سے ایک سو بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے ہم کابل سے صبح آٹھ بجے روانہ ہوئے اور میدان شہر، درّانی، شیخ آباد، سید آباد، چشمہ سالار اور شش گاؤں سے گزرتے ہوئے تین بجے یعنی سات گھنٹوں میں غزنی پہنچے سڑک پوری طرح برباد ہو چکی ہے البتہ اپنی مدد آپ کے تحت لوگوں نے مٹی ڈال کر اسے کسی حد تک ہموار کر دیا ہے ورنہ گزشتہ سال یہی فاصلہ ہم نے دوپہر پونے ایک تارات پونے گیارہ کل دس گھنٹوں میں طے کیا تھا، راستے میں سڑک کے کنارے متعدد دینی مدارس نظر آئے ان میں سے ایک کا نام مدرسہ ابوحنیفہ اور ایک کا نام ابو یوسف تھا، گذشتہ سال ڈرائیور شش گاؤں میں پانی کی ایک جگہ پر لے گیا اور اس نے بتایا کہ یہ پانی کا چشمہ ہے اور پورے افغانستان میں سب سے زیادہ شفاف، ٹھنڈا اور شیریں پانی اس چشمے کا ہے اگرچہ رات کا وقت تھا اور خنکی بھی تھی مگر ہم نے یہ پانی خوب جی بھر کر پیا اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

اَلحَمدُ للهِ الَّذِی سَقَانَا عَذ باً فُرَاتاً بِرَحمَتِہ وَلَم یَجعَلہ مِلحاً اُجَاجاً بِذُنُو بِنَا۔

یو کے اسلامک مشن کے سربراہ
محترم سید طفیل احمد شاہ صاحب کی دارِ بنی ھاشم میں آمد

یو کے اسلامک مشن کے سربراہ گزشتہ دنوں مختصر دورے پر برطانیہ سے پاکستان تشریف لائے تو ملتان میں قیام کے دوران ۵ مئی کو دارِ بنی ھاشم میں بھی تشریف لائے اور سیّد محمد کفیل بخاری سے ملاقات کی۔ محترم محمد احسان صاحب آپ کے ہمراہ تھے۔ جناب شاہ صاحب نے حضرت سید عطاء المحسن بخاریؒ کے انتقال پر اظہار تعزیت کیا، ان کی دینی خدمات پر خراجِ تحسین پیش کیا اور دعاءِ مغفرت کی۔